© rasailojaraid.com

سلطان علاء الدین خلجی کے مذہبی رجحانات[1]

از جناب خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے - ایل ایل بی -
استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سلطان علاء الدین خلجی کا عہد حکومت، اسلامی ہند کی سیاسی اور مذہبی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک باب ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی اور روحانی دونوں نظام، مشکلات و مصائب کے ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد، اپنے پورے شباب پر پہونچ گئے تھے - التمش اور بلبن نے جس عمارت کی بنیادیں رکھی تھیں اس کو علاء الدین نے اپنے تدبر اور صلاحیت جہانبانی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا تھا - مسلمانوں کا سیاسی اقتدار شمالی ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی طاقت نے تسلیم کر لیا تھا اور سارا جنوبی ہندوستان سلطان کی جہانکشایانہ ہمت کا بازیچہ بن گیا تھا - سلطنت کی بنیادیں مستحکم اور استوار ہو چکی تھیں - روحانی دنیا میں جس چراغ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر اجودھنیؒ نے باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں کے درمیان روشن کیا تھا، اس وقت نہایت آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا - حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے حقیقت و معرفت کے چشمے ابل رہے تھے محلات شاہی میں اگر مسلمانوں کے جاہ و جلال، شان و شوکت کے نظارے دکھائی دیتے تھے تو غیاث

---

[1] میں اپنے استاذ محترم پروفیسر شیخ عبد الرشید صاحب شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس مضمون کو ملاحظہ فرمایا، اور اہم اصلاحیں اور مفید اضافے کئے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پور میں وہ "شاہنشہ بے سرِ و بے تاج"[۱] جلوہ افروز تھا جس کے جمال جہاں آرا نے دہلی کو بقول برنی "رشک بغداد، غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ، موازی بیت المقدس"[۲] بنا دیا تھا۔ امیر خسرو رح کے یہ قصیدے فضاؤں میں گونج رہے تھے ؎

خوشا ہندوستاں در رونق دیں
شریعت را کمال عزّ و تمکیں
زعلم با عمل دہلی بخارا
زشاہاں گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانانِ نعمانی روش خاص
زدل ہر چار آئیں را با خلاص
نہ کیں با شافعی بے مہر با زید
جماعت را و سنت را بجاں صید[۳]

ایک طرف "فقر" تھا دوسری طرف "شاہی" ـــــــ دونوں عوام کے اخلاق و عادات درست کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ سلطان نے "قہر و تعزیر"[۴] سے عوام کے اخلاق درست کئے تو

---

[۱] امیر خسرو کا شعر ہے ؎

شاہنشہ بے سریر و بے تاج + شاہانش بخاک پائے محتاج
(دیولے مجنوں)

[۲] "تاریخ فیروز شاہی" ـــــــ از برنی۔ ص ۳۴۱ (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی)

[۳] مثنوی دولرانی (مطبوعہ علی گڑھ) ص۔ ۴۶-۴۷

[۴] برنی نے علاؤالدین کے متعلق لکھا ہے ـــــــ

"از معاملات درشت او در کار دین و دنیا راست ایستادند" ص ۳۴۹ (ایشیاٹک سوسائٹی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ نے اپنے خلوص و محبت سے عوام کی زندگی میں ایک حیرت انگیز اخلاقی انقلاب پیدا کر دیا۔ دونوں کی کوششوں کا جو نتیجہ ہوا وہ برنی کی زبان سے سنئے ——

"سبحان اللہ عجب ایامے و بوالعجب	سبحان اللہ! عجیب دن اور عجیب زمانہ
روزگارے کہ در دہ سال آخر عہد	تھا جو علاؤالدین خلجی کی حکومت کے آخری
علائی خلق را مشاہدہ افتاد کہ از طرفے	دس سال میں نظر آیا یعنی ایک طرف سلطان
سلطان علاؤالدین از جہت صواب	نے اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی و
و صلاح ملک خود جمیع مسکرات و	اصلاح کے لئے تمام نشہ آور چیزیں۔
مناہی و اسباب فسق و فجور بہ قہر و غلبہ	ممنوعات اور فسق و فجور کے تمام اسباب
و تعزیر و تشدید و بند و زنجیر منع می	ان سب کو جبر و قہر اور تشدد اور سخت
کرد .... و از طرف دیگر	گیری کے ذریعہ روک دیا تھا اور دوسری
ہم در آں ایام شیخ الاسلام نظام الدین	طرف انہیں دنوں میں شیخ الاسلام نظام الدین
در بیعت عام کشادہ بود و گناہگاراں	اولیاء نے عام بیعت کا دروازہ کھول رکھا
را خرقہ و توبہ می داد و بارادہ خود قبول	تھا گنہگاروں کو خرقہ و توبہ عطا فرماتے اور
می کرد و خاصا و عاما و غنیا و مفلسا	اور خود اپنے ارادہ سے قبول کرتے تھے۔
و ملکا و متعلما و جاہلا و شریفا و سوقیا	اور ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام مالدار ہو
و مصریا و روستائیا و غازیا و مجاہدا	یا غریب۔ بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا
و احرار و عبید طاقیہ و توبہ و مسواک	شریف۔ بازاری ہو یا شہری ہو یا گنوار
پاکی می فرمود و جماہیر طوائف مذکور	ہو یا غازی۔ اور مجاہد ہو۔ آزاد ہو یا غلام
ازانکہ خود را مرید خدمت شیخ می دانستند	ہر ایک کو توبہ اور پاکی کی مسواک دیتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واگر کسے را از ورامدگان در شیخ
لغزشے افتادے باز بہ تجدید بیعت کردے
و خرقہ توبہ ستدی و شرم مریدی شیخ
خلق را از بسیاری منکرات ہر آو
علانیہ مانع می شد و خلق عامہ تقلیداً
و اعتقاداً در طاعت و عبادت
رغبت نمودہ بودند ......
... و در دلہائے خواص و عوام نیکی
و نیکوکاری گرائیدہ و حاشا و کلا در
چند آخر عہد علائی نام شراب و شاہد
و فسق و فجور و قمار و فحش و لواطت
و بچہ بازی بر زبان اکثر مردماں گذشتہ
باشد" لہ

اور سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمت گذار سمجھتے تھے۔ اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اگر حضرت کے یہاں آنیوالوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوجاتی تھی تو وہ پھر بیعت کی تجدید کرکے توبہ کی خرقہ لے لیتا تھا۔ اور حضرت سے مرید ہونے کی شرم بہت سے لوگوں کو کھلم کھلا یا چھپے چوری بہت سے منکرات کے ارتکاب سے بچاتی تھی اور خلق خدا عام طور پر تقلیداً اور اعتقاداً طاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی۔ خواص اور عوام کے دلوں میں نیکی اور نکوکاری نے جگہ پکڑ لی تھی۔ حاشا و کلا جو علاؤ الدین کے عہد کے آخری چند برسوں میں کہیں شراب و شاہد۔ فسق و فجور۔ قمار۔ فحش لواطت۔ بچہ بازی وغیرہ کا نام بھی لوگوں کی زبان پر گذرا ہو۔

ہر علم کے استاد اور ہر ہنر کے ماہر اس وقت دلی میں موجود تھے۔ برنی نے اس زمانہ کے مشائخ، علما

لہ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۴ - ۳۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سادات، واعظین، ماہرات فن قرأت، ندما، مورخین، اطبار، منجمین، سرودگویوں اور شعرار کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔ اور بعد کو بے اختیار زبان سے نکل گیا ہے ؎

"چند چیز از عجائب روزگار ہا معائنہ	چند چیزیں عجائب روزگار کی ایسی دیکھنے
ومشاہدہ می شد کہ آں چناں در ہیچ	میں آئی ہیں جو کسی عہد اور کسی زمانہ میں
عہدے دعصرے دیگر مشاہدہ نہ	دیکھنے میں نہیں آئیں۔ اور نہ شاید کبھی
شد وشاید کہ معائنہ ہم نہ شود"[۱]	دیکھی جا سکیں۔

اسلامی ہند کے اس تابناک دور میں حکمرانی کرنے والے سلطان، علاؤ الدین خلجی کے مذہبی معتقدات ورجحانات کو مورخوں نے نہایت غلط سمجھا ہے اور یہ غلط فہمی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی ہر تاریخ میں علاؤ الدین خلجی کی مذہب سے بے تعلقی کی داستان ملتی ہے۔ اس مضمون میں ہم اس کے مذہبی افکار، رجحانات واعمال کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

غلط فہمی کے اسباب | سلطان علاؤ الدین خلجی کی مذہب سے بے اعتنائی کے بارے میں جو داستانیں مشہور ہوئی ہیں وہ سب ضیاء الدین برنی کے بیانات کا نتیجہ ہیں۔ زمانۂ حال کے مورخوں نے اس سلسلہ میں دوز بردست غلطیاں کی ہیں۔ اور ان ہی کی وجہ سے وہ سلطان کے معتقدات ورجحانات کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکے۔ اوّل تو یہ کہ انھوں نے علاؤ الدین خلجی کے متعلق برنی کے خیالات پر غور کرنے سے قبل خود برنی کے رجحانات، مذہبی معتقدات، ونظریات پر غور نہیں کیا۔ جب تک برنی کے مذہبی ذہن وشعور، سیاسی تصورات، پایان عمر کی تلخیوں اور ان سے پیدا شدہ اثرات کو ذہن میں نہ رکھا جائے برنی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی نے انڈین ہسٹری کانگریس (پٹنہ) کے خطبہ صدارت میں کہا تھا ———

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی کو اب تک جس توجہ سے پڑھا گیا ہے۔ یہ کتاب اُس سے زیادہ توجہ اور مفصل مطالعہ کی مستحق ہے۔ اس عہد پر شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو آپ کے لئے اس سے زیادہ دلکشی کا باعث ہو۔ جس قدر آپ اس کو پڑھتے جائیں گے اسی قدر اپنے آپ کو مصنف سے زیادہ قریب محسوس کرتے جائیں گے۔ مصنف اپنے رجحانات اور اپنا نقطۂ نظر بلا کسی خوف تردید کے بیان کرتا اور معمولی انسانی کمزوریاں اور خوبیاں دونوں کو نمایاں کرتا ہے وہ اپنے عہد کی ایک خصوصیت کو زیادہ نمایاں کرتا ہے یعنی یہ کہ قانون کے ساتھ ساتھ اور کبھی قانون سے بھی زیادہ منفعت پر زور دیتا ہے"

دوسری غلطی جو زمانہ حال کے مورخوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ علاء الدین خلجی کے متعلق برنی نے جو کچھ اور جس انداز میں کہا ہے اس "بہ مجموعی" حیثیت سے غور نہیں کیا۔ بعض مورخین نے تو پہلے سے قایم کئے ہوئے نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے برنی کے جملے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کر بیان کئے ہیں اور اس طرح نہ صرف ایک زبردست غلط فہمی پھیل گئی ہے بلکہ خود برنی کا مافی الضمیر بھی غلط سمجھا گیا ہے۔

برنی کے متعلق بعض باتیں یاد رکھنے کی ہیں کیونکہ ان کے بغیر اس کو صحیح طرح سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

(۱) برنی ایک مذہبی آدمی تھا۔ اور بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی "قانونی معقولیت کے متعلق برنی کے خیالات بڑے سخت تھے"[1]

"لوازم امور بادشاہی" کے متعلق اس کے اپنے مخصوص نظریات تھے۔ ان نظریات کا اندازہ

---

[1] "Administration of the Sultanate of Delhi" p.44.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی کتاب "فتاوائے جہانداری" سے ہوتا ہے۔ ان ہی نظریات کے ماتحت وہ ہر سلطان کو دیکھتا ہے۔ جو اس معیار پر پورا نہیں اُترتا وہ اس کی نظر میں مذہبی اعتبار سے گر جاتا ہے۔

(۲) برنی نے اپنی کتاب فیروز شاہ تغلق کے عہد میں لکھی تھی۔ فیروز بے حد پابند شرع اور متدین بادشاہ تھا، علماً و مشائخ سے سلطنت کے معاملات میں مشورہ کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ جب برنی فیروز کے اس احترام اور پابندی شرع کو دیکھتا ہے اور پھر گذشتہ سلاطین کے حالات پر غور کرتا ہے تو مذہبی حیثیت سے ان کے نقوش ماند پڑنے لگتے ہیں اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے ۔۔

"ازاں روز کہ دہلی فتح شدہ است و	جب سے دہلی فتح ہوئی اور اسلام ہندوستان
اسلام در ہندوستان ظاہر گشتہ بعد	میں ظاہر ہوا ہے سلطان معزالدین محمد سام
از سلطان معزالدین محمد سام بادشاہے	کے بعد سے اب تک فیروز شاہ سلطان سے
حلیم تر و شرمگیں تر و مشفق و مہربان	زیادہ کوئی بادشاہ بردبار۔ شرمیلا مشفق
و حق شناس و وفادار تر و در اسلام	مہربان۔ حق شناس۔ اور وفادار۔ اور
و مسلمانی پاکیزہ اعتقاد تر از سلطان	اسلام اور مسلمانی میں پاکیزہ اعتقاد دہلی
عہد و زمان فیروز شاہ السلطان پائے	کے تخت پر نہیں بیٹھا۔
بر تخت گاہ دہلی ننہادہ است"[۱]	

پھر ایک جگہ پکارتا ہے

"من ہیچ سلطان العہد ۔۔۔ در اعطائے	میں نے مسلمانوں کے حقوق کی مراعات اور
حقوق مسلمانان و ایثار احکام شرع	احکام شرع محمدی کی تعمیل کے لحاظ سے سلطان
محمدی بادشاہے دیگر ندیدہ ام"[۲]	وقت (فیروز شاہ) جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا!

[۱] تاریخ فیروز شاہی ۔ ص ۵۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس "تقابل" اور "موازنہ" نے اس کے ذہن پر بڑا اثر کیا ہے۔ برنی کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

برنی کے ذہن میں بعض سماجی تعصبات بھی کام کر رہے ہیں وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب خاندانی نجابت و اصالت پر بڑا فخر کیا جاتا تھا۔ التمش اور بلبن نے اپنے تخت و تاج کے گرد صرف اعلیٰ خاندان کے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ علاؤ الدین خلجی اور محمد بن تغلق نے ذات و نسل کے یہ سب امتیازات اٹھا دیئے۔ ان دونوں کی نظر میں "ذاتی قابلیت" سب سے بڑا معیار تھی۔ بر خلاف اس کے برنی کا عقیدہ تھا کہ حکومت کا کام صرف اعلیٰ خاندانوں تک محدود رہنا چاہیئے۔ اس بنا پر اس کو علاؤ الدین خلجی اور محمد بن تغلق سے ایک بنیادی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید نے برنی پر اپنے فاضلانہ مقالہ میں اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے ——

"برنی کے صفحات میں جگہ جگہ ان لوگوں کے خلاف جنھوں نے اس سماجی توازن کو ابتر کر دیا تھا ایک ذاتی ناراضگی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے"[۱]

برنی کے ان بنیادی تصورات اور رجحانات کو ذہن میں رکھ کر جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو مصنف سے زیادہ قریب محسوس کرتے ہیں اور اس کے ذہنی محرکات کو سمجھنے کے بعد ہم کو بہت سے نظریات میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔

برنی کے علاوہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے علاؤ الدین خلجی کی مذہب سے بے اعتنائی کا شکوہ نہیں کیا۔ بلکہ امیر خسرو، امیر حسن، عصامی اور وصاف نے اس کی "دین پروری" "دین داری" اور "پاس شریعت" کی تعریف کی ہے۔

مذہبی نفسیات مورخوں کے بیانات سے کچھ دیر کے لئے قطع نظر کر کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سلطان

---

[۱] Zia ud din Barni: A Study, p. 23.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مذہبی ذہن و شعور کا مطالعہ کریں اور نفسیاتی اعتبار سے اس کے ذہنی محرکات کو سمجھنے کی کوشش کریں

سلطان علاؤالدین خلجی کی مذہبی نفسیات بے حد آسان ہے۔ اس کے افکار و اعمال میں حیرت انگیز مطابقت ہے۔ جہالت کے جہاں بہت سے عیوب اس کے اندر ہیں۔ وہاں ایک زبردست خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کو کسی مصلحت کے پیش نظر بناوٹی طور پر پیش نہیں کرتا۔ جو دماغ میں گزرتا ہے وہ اسی انداز میں زبان اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس دماغ اور زبان کی ہم آہنگی نے اس کی مذہبی کیفیات کا مطالعہ بہت آسان کر دیا ہے۔ بیرونی محرکات اور حالات گرد و پیش جس طرح سے اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح سے اس کے اعمال ڈھلتے چلے جاتے ہیں

نیا مذہب جاری کرنے کا ارادہ | سلطان علاؤالدین کے عہد کے ابتدائی زمانہ کا سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ ایک نئے مذہب کے اجراء کا ارادہ ہے۔ برنی نے لکھا ہے کہ جب علاؤالدین خلجی کی فوجیں فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتی ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں، جب دولت کی ہر چہار طرف سے فراوانی ہوئی جب سلطان کے اقتدار کا سکہ جم گیا،[1] تو دولت و قوت کے اس نشہ نے اس کے دماغی توازن کو خراب کر دیا۔ اور اس نے ایک نیا مذہب جاری کرنیکا ارادہ کیا۔ یہ خیال علاؤالدین کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟ اس کا جواب ہمیں اس کی نفسیات میں تلاش کرنا چاہیئے۔ سلطان علاؤالدین Power politics (سیاسی قوت) میں اعتقاد رکھتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد طاقت ور بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کی کوشش تھی کہ اپنی رعایا کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو جائے۔ اس کا احاطۂ اختیار انسانی کردار کے ہر پہلو پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت پیدا کر لے[2]۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۶۲ - ۲۶۱ [2] برنی نے اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے ——
"آں بکن و ایں مکن، واں بگو و ایں مگو، و ایں بپوش و آں مپوش، و آں بخور و ایں مخور، و بہیں فروش و آنچناں مفروش، و ہمچو باش و آنچناں مباش" تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی اعتبار سے اس نے ملک میں انتہائی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ لیکن وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کا تسلط ابھی انسانی زندگانی پر مکمل نہیں۔ اور وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مذہب بھی اس کے ظل حمایت میں پرورش پانے لگے۔ چنانچہ اقتدار، عظمت اور شہرت کی اس ہوس نے[1] اس کو ایک نئے مذہب کے جاری کرنے کی تدبیر سجھا دی۔ وہ خود پڑھا لکھا انسان نہیں تھا اس لئے اس خیال کے ہر پہلو پر بالغ نظری کے ساتھ تاریخی تجربات کی روشنی میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ جس شخص کی زندگی میدان کارزار میں گذری ہو وہ کسی چیز کو ناممکن العمل کیوں سمجھنے لگا تھا۔؟ تیغ و تفنگ پر بھروسہ کرنے والے انسان اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے کہ طاقت کے زور سے انسان کے جسم کو پارہ پارہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے افکار و خیالات پر قابو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگوں کے معتقدات پر قبضہ کرنا بھی اسی قدر آسان تصور کر رہا تھا جتنا ارض ہند پر قبضہ کرنے کو اس نے سہل سمجھا تھا۔ دل میں خیال آیا اور معاً یہ سمجھ بیٹھا کہ اس میں اس کو کامیابی ہو گی۔ برنی نے لکھا ہے کہ سلطان اکثر اپنی شراب کی مجلسوں میں اس ارادہ کا ذکر کیا کرتا تھا۔[2]

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ مذہب کے جاری کرنے کے متعلق اس کے خیالات محض سطحی تھے۔[3] وہ محض شراب کے نشہ میں اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جبکہ حقیقت میں وہ کسی مذہب کے جاری کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ سلطان اپنے اس ارادہ کے متعلق مجالس شراب کے علاوہ بھی مشورہ کیا کرتا تھا۔ برنی لکھتا ہے ——————

---

[1] برنی لکھتا ہے ——————

"از حاضران ہمیں پرسیدی کہ چگونہ چیز ہا پیدا باید آورد تا نام من در امن قیامت گیرد" تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۳۔ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۶۳ - ۲۶۲

[3]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"در مجلس شراب بگفتے - و در پیدا آوردن دین و مذہب علیحدہ با ملوک مجلس مشورت کردے واز حاضراں بپرسیدے کہ چگونہ چیزہا پیدا باید آورد تا نام من دامن قیامت گیرد"[1]

مجلس شراب میں کہتا اور دین و مذہب کی ایجاد کے بارہ میں امراء کے ساتھ مشورے کرتا اور حاضرین سے پوچھتا کہ کس طرح ایسی چیزیں ظاہر کرنی چاہئیں جس سے میرا نام قیامت تک رہے۔

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ سلطان کے یہ خیالات اس کے مخصوص مصاحبوں تک محدود رہے[2] لیکن یہ صحیح نہیں۔ برنی نے بتایا ہے کہ سلطان کے اس ارادے کی خبر جب عوام کو ہوئی تو اُن میں ایک اضطراب اور بے چینی پھیل گئی۔ مسلم سوسائٹی کے مختلف حلقوں میں مختلف قسم کے اثرات پیدا ہوئے۔ "بزرگان شہر" اس کی بیوقوفی پر ہنس دے۔ "دانایان شہر" کو خطرات محسوس ہوئے غرض ہر طبقہ نے اپنی فکر و ہمت کے مطابق حالات کا جائزہ لیا۔ لکھا ہے ——

"بعضے بزرگان شہر بخندیدندے و بر جہل و حمق او حمل کردندے و بعضے دانایان بترسیدندے و بایک دیگر بہ گفتندے کہ این مرد فرعون صفت است وعلی دخبرے ندارد و گنج ہائے بسیار کہ دیدہ حکمارا کور کند تا بدیدہ بے خبراں و غافلاں چہ رسد

شہر کے بعض بزرگ ہنستے اور بادشاہ کی حماقت وجہالت پر اس کو محمول کرتے تھے اور بعض عقلمند ڈرتے اور آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص فرعون صفت ہے اور علمی واقفیت رکھتا نہیں ہے اور بہتیری خزانوں کا مالک ہے جو حکمار کو بھی اندھا کر سکتے ہیں پھر بے خبر اور غافل لوگوں کا تو کہنا ہی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۶۳

[2] Administration of the Sultanate of Delhi, p. 45.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدست این بے خبر افتادہ است کہ — کیا ہے ۔ اگر شیطان نے دین کے خلاف
اگر شیطان راہ وروشے کثیر برخلاف — کوئی راہ وروش اسے بتادی اور اس
دین در دل او القا کند و این مرد در — نے اس کی تلقین کرنے میں ساٹھ ستر
تلقین کردن آں بے راہے آدمی — ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا تو پھر مسلمانوں
شصت وہفتاد ہزار بکشد حال — اور مسلمانی کا کیا حال ہوگا!
مسلمانان و مسلمانی چہ باشد و چہ شود[1]

فرشتہ کا بیان ہے کہ جب حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور دیگر بزرگان دہلی کو سلطان کے اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ آزردہ خاطر ہوئے اور اُن کو تشویش پیدا ہوگئی۔ لکھا ہے ——

"از شنیدن این خرافات آزردہ — اس خرافات کے سننے سے آزردہ خاطر
خاطر شدہ و دعا می کردند کہ او از وسواس — ہوئے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ وسواس
شیطانی برآمدہ بر جادۂ مستقیم — شیطانی سے نجات پاکر شریعت مصطفوی
شریعت مصطفوی ثابت و راسخ گردد[2] — کہ جادۂ مستقیم پر قائم و ثابت رہے!

اگر سلطان کے خیالات محض سطحی ہوتے تو اُن کی اتنی اہمیت نہ ہوتی اور شہر کے علماء و مشائخ اس قدر آزردہ خاطر نہ ہوتے۔

سلطان نے اس ارادہ کا ذکر جب علاء الملک کوتوال دہلی سے کیا تو اُس نے علاء الدین کو اُن حقائق سے آشنا کر دیا جن پر اس کے سپاہیانہ دماغ نے اب تک پردہ ڈالے رکھا تھا۔ علاء الملک نے نہایت صفائی سے کہا۔

"خداوند عالم سخن دین و شریعت و — خداوند عالم! دین و شریعت اور مذہب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۶۴ [2] تاریخ فرشتہ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵ (فارسی) نول کشور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب اصلا والبتہ بہ زبان نباید آورد کہ ایں کار انبیاء است نہ پیشۂ بادشاہاں[1]

کی باتوں کو ہرگز زبان پر نہیں لانا چاہئے کیونکہ یہ پیغمبروں کا کام ہے نہ کہ بادشاہوں کا۔

اس کے بعد علاء الملک نے سلطان کی اس مسئلہ میں بنیادی غلطی اور عملی دشواریوں کی وضاحت اس طرح کی ——

"دین و شریعت بہ وحی آسمانی تعلق دارد برائے و تدبیر بشری ہرگز دین و شریعت بنا نشود و ازگاہ آدم تا امروز دین و شریعت از انبیاء و رسل پیدا آمدہ است و جہانداری و جہانبانی بادشاہاں کردہ اند و تا جہان بودہ و ہست و خواہد بود۔ نبوت بادشاہ نکردہ اند فاما بعضے پیغمبراں بادشاہی کردہ اند و التماس بندۂ درگاہ آنست کہ بعد ازیں سخن بنائے دین و شریعت و مذہب انچہ خاصۂ پیغمبران آنست در با پیغمبرے ما مہر شدہ است در مجالس شراب و غیر شراب از زبان بادشاہ بیروں نیاید و اگر ازیں بابت

دین اور شریعت کا تعلق وحی آسمانی سے ہے اور انسانی تدبیر و رائے سے ہرگز دین اور شریعت کی بنا نہیں ہوتی ہے۔ آدم سے لیکر اب تک دین اور شریعت پیغمبروں اور رسولوں سے پیدا ہوتے ہیں اور جب سے کہ دنیا ہے اور جب تک کہ رہیگی پیغمبری بادشاہوں نے نہیں کی ہے البتہ ہاں بعض پیغمبر بادشاہ ضرور ہوئے ہیں مجھ بندۂ درگاہ کی التماس یہ ہے کہ اب آئندہ دین و شریعت اور مذہب کے بنانے کی بات چیت جو کہ انبیائے کرام کا خاصہ ہے اور جو ہمارے پیغمبر پر ختم ہو چکی ہے مجلس شراب و غیر شراب میں بادشاہ کی زبان پر نہ آئے۔ اگر یہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلمات کہ بادشاہے خواہد کہ دہنے دلہیے	باتیں خواص وعوام کے کانوں تک پہونچیں
علیحدہ بنا کند در گوش خواص وعوام مردم	تو تمام لوگ بادشاہ سے منحرف ہوجائینگے
افتد ہر ہمہ خلق از بادشاہ بگردند دیک	اور ہر طرف سے فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا اور
مسلمان نزدیک بادشاہ نیاید واز ہر	ایک مسلمان بھی بادشاہ کے پاس نہ آئیگا
طرف فتنہ وسیع خیزد۔"[1]	

علاء الملک کے اس جواب نے سلطان کو خواب سے چونکا دیا وہ چاہتا تھا کہ ایک نئے مذہب کو جاری کرکے اپنی رعایا کی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہوجاوے۔ علاء الملک نے جب یہ بتایا کہ اس سے ملک میں ایسا فتنہ وفساد برپا ہوجادیگا۔ کہ "برائے صد بزرجمہر فرو نہ نشیند"[2] تو سلطان کو ہوش آگیا اور اس نے اپنے ارادہ سے توبہ کی۔ علاء الملک کی صاف گوئی اور حقیقت بیانی سے علاءالدین بہت متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا ــــــــ

"من ایں ساعت فکر کردم کہ ہمچنیں	میں نے اب سوچا کہ تو جیسا کہتا ہے ویسا
است کہ تو میگوئی۔ مرا ایں سخنان نمی باید	ہی ہے مجھ کو ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں
گفت وبعد ازیں گاہے در ہیچ مجلس کسے	اور اب کسی مجلس میں کوئی شخص مجھ سے
ایں چنیں سخنان از من نشنود وصد رحمت	ایسی باتیں نہیں سنے گا۔ تیرے اوپر اور
بر تو باد وبر مادر وپدر تو کہ بر روئے من	تیرے ماں باپ پر صد رحمت کہ تو نے مجھ
راست گفتی"[3]	سے حق بات کہی۔

مسلمان امراء اور مشائخ کو علاء الملک کے اس جواب اور جذبہ کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اُسے دعائے خیر دی۔[4]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶۷۔ ۲۶۵ [2] ایضاً ص۔ ۲۶۶ [3] ایضاً ص ۲۶۷ [4] فرشتہ جلد اول صفحہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاؤالدین کا یہ ارادہ اپنی رعایا کی زندگی کے ہر گوشہ پر مکمل تسلّط حاصل کرنے کی خواہش سے پیدا ہوا تھا۔ علاء الملک کی بے لاگ تنقید نے اس کی آنکھیں کھولدیں اور اس نے اس ارادہ کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا کبھی اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا۔

مذہبی علم و معلومات | سلطان علاؤالدین جاہل محض تھا۔ اس نے لکھا پڑھا مطلقاً نہ تھا اس لئے اس کی مذہبی معلومات کا سرمایہ صرف اسی قدر تھا جتنا وراثت میں مل سکتا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے

"من کہ جاہلم و ناخواندہ و نانویسندہ ام	میں جاہل ہوں۔ لکھا پڑھا نہیں ہوں سوائے
جز الحمد و قل ہو اللہ و دعائے قنوت و	الحمد اور قل ہو اللہ اور دعائے قنوت اور
التحیات چیزے دیگر خواندن نمی دانم"[1]	التحیات کے کچھ اور پڑھنا نہیں جانتا۔

لیکن علم سے بے بہرہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ مذہب سے بھی بے بہرہ تھا۔ خود کہتا ہے۔

"من اگرچہ علمے و کتابے نخواندہ ام	میں نے اگرچہ علم اور کتاب نہیں پڑھی ہے
اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان	لیکن کتنی ہی پشتوں سے مسلمان ہوں اور
زادہ ام"[2]	مسلمان زادہ ہوں۔

پشتوں کی مسلمانی جس قدر مذہبی معلومات کا سرمایہ اس کو پہنچا سکتی تھی وہ اس کے پاس محفوظ تھا اور وہ اس پر مکمل اعتقاد رکھتا تھا۔ فلاسفہ اور بد اعتقاد لوگوں کی صحبت اُسے اپنی زندگی میں کبھی نہ ملی تھی۔ اور اس لئے اُس کی جہالت سے کسی کو فائدہ اُٹھانے کا موقع بھی نہ ملا تھا وہ اپنے تقلیدی مذہب پر قانع تھا۔ برنی لکھتا ہے۔

"در اسلام اعتقاد تقلیدی بر طرفے	اسلام میں اعتقاد تقلیدی رکھتا تھا
آمیاں راسخ داشت و سخنے بدمذہباں	اور بدمذہب اور بددینوں کا سا کلام نہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۶ [2] ایضاً ص ۔ ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکلام بد دیناں نگفتے ونشنیدے و نہ دانستے"[1] — کہتا اور نہ سنتا تھا۔ اور نہ جانتا تھا

برنی نے ایک جگہ شکایت کی ہے کہ

"از علم خبر نداشت وبعلماء ہم نشست وخاست نکردہ بود"[2] — علم سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اور نہ علماء کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔

پھر دوسری جگہ اسی شکایت کو دوہرا کر لکھا ہے۔

"در امورِ جہانداری خود مسئلہ وروایتے نپرسیدے"[3] — اپنے امور جہانداری میں نہ کسی سے سوال کرتا اور نہ کوئی روایت پوچھتا تھا۔

لیکن تاریخی واقعات برنی کے اس بیان کی تائید نہیں کرتے، بلکہ خود اس کے صفحات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علاؤ الدین علم سے بے بہرہ تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ اس نے کبھی کسی معاملہ میں شرعی نقطۂ خیال کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ برنی نے قاضی مغیث سے گفتگو کا حال خود لکھا ہے۔ دہلی کے سلطان کی سیاسی زندگی میں ان مسائل سے زیادہ اہم مسائل کا تصور ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ان کی ہمہ گیر نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نہایت ہی اہم بنیادی معاملات پر اسلامی نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہتا تھا مذہب سے بے اعتنائی اور بے تعلقی کی صورت میں اس قسم کے استفسارات کا کوئی موقع نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب سے وہ[4] اس قدر بے تعلق نہ تھا جتنا کہ مورخوں نے دور لیجا کر کھڑا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر الیشور ٹوپ کا یہ خیال کہ وہ مذہب سے بالکل بیگانہ تھا یا اس کا دماغ اسلامی تعلیمات

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۳ [2] ایضاً ص ۲۶۲ [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۹۔

[4] Politics in Pre-Moghal Times, By Dr. I. Topa.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یکسر خالی تھا۔ تاریخی شواہد کے قطعاً خلاف ہے ۔

قاضی مغیث سے گفتگو | قاضی مغیث سے سلطان علاؤالدین کی مسائل شرعی پر گفتگو کئی اعتبار سے نہایت اہم ہے ۔ اس سے سلطان کے مذہبی رجحانات احساسات و افکار کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اکثر تاریخ نویسوں نے علاءالدین کے متعلق اپنے خیالات کی تائید میں اس گفتگو کے جملے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے نقل کئے ہیں اور اس طرح سے ان کا مفہوم اکثر جگہ برعکس سمجھا گیا ہے ۔

ایک دن سلطان علاءالدین نے قاضی مغیث سے کہا کہ میں آج تجھ سے کچھ مسائل پوچھنا چاہتا ہوں ۔ جو بات سچ ہو وہ مجھ سے کہنا ۔ قاضی مغیث نے عرض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے ۔ سلطان نے پوچھا ۔ تجھے کس طرح سے یہ خیال پیدا ہوا ۔ قاضی نے عرض کیا کہ خداوند مجھ سے مسائل دینی دریافت فرمائینگے میں حق بات کہوں گا ۔ خداوند عالم کو اس پر ناراضگی ہوگی آخر کار مجھے مروا ڈالیں گے " علاءالدین نے اس پر جواب دیا " من نخواہم کشت ہر چہ از تو پرسم پیش من راست و درست بگو "[1]

اس کے بعد علاءالدین نے قاضی مغیث سے چند اہم شرعی مسائل دریافت کئے مسائل یہ تھے ۔

۱ ۔ " خراجگذار و خراجدہ در شرع چگونہ ہندوی را گویند "[2]

۲ ۔ " وزدے و اصابت در رشوت کارکناں و آنانکہ سیاقت قلم می کنند و از جمع می برند جائے در شریعت آمدہ است "[3]

۳ ۔ " ایں مالے کہ من با چنداں خونابہ دیدن در وقت ملکی از دیوگیر آوردہ ام ۔ آں مال ازاں من است و یا از بیت المال مسلمانان "[4]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۰ [2] [3] [4] ۲۹۰ ۔ ۲۹۲ ۔ ۲۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ "مراد فرزندان مرا در بیت المال چہ مقدار حق است"[1]

یہ سوالات فی نفسہ بے حد اہم ہیں۔ ان کی نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان اہم ہمہ گیر مسائل پر اسلامی نقطۂ خیال معلوم کرنا چاہتا تھا۔ حقوق الذمیین۔ سزائے جرائم۔ مشاہرِ سلطان اور انتظام بیت المال ـــــــ کسی مسلمان بادشاہ کی زندگی میں ان سے زیادہ اہم مسائل نہیں ہو سکتے۔ اور یہ کہ سلطان ان تمام مسائل پر شرعی زاویۂ نگاہ معلوم کرنا چاہتا تھا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کو شریعت کا بے حد خیال تھا۔

کچھ لوگ شاید اس موقعہ پر یہ اعتراض کریں کہ سلطان نے ان مسائل پر قاضی سے اختلاف کیا۔ اس سلسلہ میں قاضی کے جوابات کو سن کر ہی کوئی فیصلہ کرنا ممکن اور مناسب ہے۔

ہندوؤں کی شرعی حیثیت کے متعلق سلطان نے جو سوال کیا تھا۔ اس کا جواب قاضی نے یہ دیا۔ کہ ہندوؤں سے سختی سے محاصل وصول کرنا " لوازم دینداری" میں سے ہے۔

ساتھ ہی ساتھ قاضی مغیث نے ایک بنیادی مسئلہ اور پیش کر دیا۔ ان کی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے تک کے حق میں نہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ

" جز امام اعظم کہ ما مذہب او داریم در باب قبول کردن جزیہ از ہندواں۔ از صاحب مذہباں دیگر روایتے نیامدہ است"[2]

سلطان نے جب قاضی مغیث کا یہ بے موقع جوش اور غلط طرز استدلال دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑا اور کہا ـــــــ "ازیں سخنہائے کہ تو گفتی من ہیچ نمی دانم"[3]

اس کے بعد سلطان نے خوط۔ مقدم اور دیگر ان طبقوں کی حالت پر جو سلطنت کے اقتصادی نظام میں کافی طاقت حاصل کر گئے تھے سیاسی اعتبار سے گفتگو کی اور کہا ـــ

---

[1] [2] [3] صفحات ۲۹۲ - ۲۹۰ - ۲۹۱

© rasailojaraid.com

"اے مولائے مغیث تو مردے دانشمندی دے تجربہا نداری - من خواندگی ندارم دے تجربہا بسیار دارم"[1]

قاضی مغیث نے جو نظریہ پیش کیا تھا وہ سیاسی حالات اور مسلمانوں کی تاریخی روایات کے منافی تھا۔ محمدؒ بن قاسم نے سب سے پہلے ہندوؤں کو ذمی کے حقوق دئے تھے۔ اور ان کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ قاضی مغیث نے حالات گردوپیش سے آنکھ بند کر کے ایک ایسا مسئلہ پیش کر دیا جو فی نفسہ غلط ہونے کے علاوہ سیاسی بصیرت کے نقدان کا بھی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

قاضی نے دیوگیر کے مال کے متعلق سلطان کے استفسار کا جواب دیا ——

"آں مال کہ خداوند عالم از دیوگیر آوردہ است بہ قوت لشکر اسلام آوردہ است زیرِ ما لیکہ بہ قوت لشکر اسلام آرند آں مال بیت المال مسلماناں باشد، کہ اگر خداوند عالم تنہا مال از جائے حاصل کردے وآں را وجہے مباح در شرع بودے اں مال ازآں خداوند عالم باشد"[2]

جو مال کہ خداوند عالم نے دیوگیر سے حاصل کیا ہے وہ لشکر اسلام کی قوت سے کیا ہے اور جو مال لشکر اسلام کی قوت سے حاصل کیا جائے وہ مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہوتا ہے۔ ہاں اگر خداوند عالم کسی مباح طریقہ پر تنہا کوئی مال حاصل کرتے تو بیشک وہ خداوند عالم کا مال ہوتا۔

اس پر سلطان کا اعتراض یہ تھا کہ اس نے یہ سب مال اپنی "ذاتی حیثیت" میں اپنے "ذاتی نوکروں" کی مدد سے اس وقت حاصل کیا تھا جبکہ وہ محض ملک تھا۔ اس لئے یہ مال کس طرح بیت المال کی ملکیت ہو سکتا ہے؟ سلطان نے کہا ——

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص - ۲۹۱ [2] تاریخ فیروز شاہی . ص ۲۹۳ - ۲۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مالیکہ من جان خود را و جان چاکران	جو مال کہ میں اپنی اور اپنے نوکروں کی جان
خود را در باختہ باشم و از ہندوانیکہ نام	پر کھیل کر ان ہندوؤں سے لایا ہوں جن
و نشان ایشاں در دہلی نمی دانستند در	کا نام و نشان بھی دہلی میں نہیں جانتے تھے
وقت ملکی آوردہ ام و آں را در خزانہ بادشاہی	اور یہ مال میں ملک ہونے کے وقت لایا
نرسانیدہ و در تصرف خود داشتہ	اور خزانۂ شاہی میں اس کو پہنچایا بھی نہیں
انچناں مال چگونہ بیت المال باشد" [۱]	بلکہ اپنے قبضہ میں رکھا وہ مال کس طرح
	بیت المال کا ہو سکتا ہے۔

چوتھے سوال کے جواب میں قاضی نے خلفائے راشدین کا وہ معیار زندگی پیش کر دیا جس کا ذکر بھی اس ماحول اور ان حالات گرد و پیش میں قطعاً بے محل تھا قاضی نے کہا :۔

"اگر خداوند عالم اتباع خلفاء راشدین	اگر خداوند عالم خلفائے راشدین کی پیروی
کند و درجات آخر طلبد چنانکہ خداوند عالم	کریں اور آخرت کے درجات طلب کریں
اہل جہاد را دو سیست سی چہار تنکہ تعین کردہ	تو جیسا کہ اہل جہاد کے لئے دو سو چونتیس
است ہماں مقدار خداوند عالم را از برائے	تنکہ مقرر کر دئے ہیں اتنی ہی مقدار خداوند
نفقہ و خاصہ و حرم خود بر باید داشت و	عالم خاص اپنے اور اپنے اہل و عیال کے
اگر خداوند عالم میان روی را کار فرماید	اخراجات کے لئے لے لیں۔ اور اگر
وا دید انکہ بدیں مقدار کہ سایر حشم را میدہد	خداوند عالم میانہ روی کو اختیار کریں اور
میسر نشود و عزت اولوالامری نماند ہماں	اور یہ سمجھیں کہ اس مقدار میں جو کہ تمام ملازمین
قدر کہ امرائے معارف درگاہ خود را چنانکہ	کو دیتے ہیں گذر نہیں ہو سکتی اور بادشاہی

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۔ ۲۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک قیران و ملک قیر بیک و ملک نایب
وکیلدر و ملک خاص حاجب را امید بد
از بیت المال بجہت نفقہ خاصہ و حرم
خود را بر باید داشت اگر خداوند عالم
برخصت روایت علمأ دنیا از بیت المال
نفقہ خود و خاصہ حرم خود بردارد آں قدر
بر باید داشت کہ بہ نسبت دیگر بزرگاں
درگاہ بیشتر و بہتر ستانند کہ ازاں بیشتر
و بہتر خداوند عالم را از دیگراں تفرد بروئے
نماید و عزت اولوا الامری بخواری نکشند
و بہر چہ ازیں سہ طریق کہ عرض داشتم خدا
وند عالم از بیت المال بیشتر بردارد
لکھا و کرور ہا و زرینہ ہا و مرصع ہا اعطأ
حرم کند جواب آں در قیامت باز پرسیدہ
شود [1]

کی شان قایم نہیں رہ سکتی تو جتنی رقم کہ
درگاہ کے بڑے بڑے لوگوں کو دی جاتی
ہے ۔ اتنی ہی رقم بیت المال سے اپنے
اور حرم کے اخراجات کے لئے لے لیں
اور تیسری صورت یہ ہے کہ خداوند عالم
علمأ نے دنیا کی روایتی اجازت درخصت
کے مطابق بیت المال سے اپنا اور اپنے
حرم کا خرچ لیں تو اتنا لینا چاہئے کہ دوسرے
بزرگان درگاہ کی نسبت زیادہ اور اچھا
لے لیں جس کی وجہ سے آپ کو دوسروں
سے امتیاز ہو جائے اور بادشاہی کی شان
پر بھی دھبہ نہ آئے ۔ یہ تینوں صورتیں
جو میں نے بیان کی ہیں اگر خداوند عالم نے
ان سے تجاوز کر کے بیت المال سے زیادہ
لے لیا اور لاکھوں، کروڑوں، اور سونے
کی اور جڑاول چیزیں خاص حرم کو دینی
شروع کر دیں تو قیامت میں ان سب
کے متعلق باز پرس ہوگی ۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۴ - ۲۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جواب پر سلطان کو غصہ آگیا۔ لیکن غصہ جس بات پر آیا ہے وہ بھی غور طلب ہے۔ کہتا ہے

"قاضی تو کہتا ہے کہ اتنے سالوں سے میرے حرم میں جو خرچ ہوتا ہے وہ جائز نہیں تھا"

اس جملے کے پیچھے بہت سے جذبات معلوم ہوتے ہیں کیا اب تک تمام حرم کے اخراجات غیر شرعی طریقہ پر ہو رہے تھے؟ ————

حقیقت یہ ہے صدیاں گزری تھیں کہ خود اسلامی مرکزوں سے وہ معیار اٹھ گیا تھا جس کی طرف قاضی نے اشارہ کیا تھا۔ ان سلاطین کا تو ذکر ہی کیا جن کے دل و دماغ پر قیصر و کسریٰ کی تصویریں نقش تھیں۔ قاضی مغیث کے اس سوال کے جواب میں جو بات علاء الدین نے کہی تقریباً وہی دہلی کا ہر سلطان کہتا کہ سیاسی حالات کا تقاضا یہی ہے۔ لیکن اس سے سلطان کی مذہب سے نفرت یا بے تعلقی کا نتیجہ کسی طرح اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان کی اس گفتگو اور برہمی سے قاضی مغیث کو یہ خیال پیدا ہوا کہ علاء الدین اس سے سخت ناراض ہو گیا ہے۔ اور اب اس کی جان کی سلامتی ممکن نہیں۔ اگلے دن جب اسی خوف اور ہراس کے عالم میں دربار میں آیا تو سلطان نے قریب بلایا خلعت اور ہزار تنکہ انعام دیا[1] اور اس کے بعد کہا ————

"من اگرچہ علمے و کتابے نخواندہ ام اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان زادہ ام و از برائے آنکہ بلغاکے نشود
میں نے اگرچہ علم اور کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن کتنی ہی پشتوں سے مسلمان ہوں اور مسلمان زادہ ہوں اور اس غرض

---

[1] اگر سلطان قاضی کے اس شرعی نقطۂ خیال پیش کرنے سے ناراض ہو جاتا (جیسا کہ برنی کے انداز سے شبہ ہوتا ہے) تو وہ یہ عطیہ قاضی کو ہرگز نہ دیتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

که در ملغاک چندین هزار آدمی کشته می
شود بهر چیز یکه دران صلاح ملک و
صلاح ایشان باشد بر خلق امر می کنم
و مردمان ده دیدگی و بے التفاتی می
کنند و فرمان مرا بجائے نمی ارند مرا ضرورت
می شود که چیزها درشت درباب ایشان
حکم کنم که ایشان بدان فرمان برداری کنند
ونمی دانم که آن حکم ها مشروع است
یا نا مشروع و من در هر چه صلاح ملک
خود می بینم و مصلحت وقت مرا دران
مشاهده می شود حکم می کنم ونمی دانم که
خدائے تعالیٰ فردا قیامت بر من چه خواهد
کرد فاما اے مولانائے مغیث من یک
چیز در مناجات خود با خدائے تعالے
می گویم که بار خدائے تو می دانی که اگر یکے
با زن دیگر سفاح می کند مرا در ملک
من زیان نمی دارد و اگر کسے شراب می
خورد هم مرا زیانے نمیست و اگر دزدے
می کند جائے از میراث پدر من نمی برد

سے کہ فساد نہ ہو کیونکہ فساد میں ہزاروں
آدمی مارے جاتے ہیں - میں جس چیز میں
ملک کی بھلائی دیکھتا ہوں لوگوں کو اس
کا حکم کرتا ہوں لوگ بے پروائی اور بے
توجہی برتتے ہیں اور میرا فرمان بجا نہیں
لاتے اس لئے ضرورت ہے کہ میں ان کے
متعلق سخت احکام نافذ کروں کہ وہ ان
کی تعمیل کریں - میں نہیں جانتا کہ وہ احکام
جائز ہیں یا نہیں - میں تو جن چیزوں میں ملک
کی بھلائی دیکھتا ہوں اور ان کو وقت کے
مناسب پاتا ہوں ان کا حکم کر دیتا ہوں
میں نہیں جانتا کہ کل خدا کا معاملہ میرے
ساتھ کیا ہوگا ! لیکن ہاں اے مولانا مغیث
میں ایک بات خدائے تعالیٰ کے ساتھ
مناجات میں کہتا ہوں ! اور وہ یہ کہ اے
خدا تو جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت
کے ساتھ زنا کرے تو اس سے میرے
ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا - اگر کوئی
شراب پیتا ہے تو مجھ کو اس سے بھی کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

که مراد در آید و اگر مال می ستانند در
نامردی الی رود و از نا رفتن ده و بست نفر
کار نامردی الی ماند در باب این چهار
طائفه آنچه حکم پیغامبران است ان بکنم [1]

نقصان نہیں پہنچتا اگر کوئی چوری کرتا ہے
تو میرے باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں
لیتا۔ جس کا مجھ کو درد ہو۔ اور اگر کوئی مال
ہڑپ لیتا ہے اور اس کا اندراج نہیں ہوتا
اور دس بیس آدمیوں کے نہ جانے سے
نامردی کا کام رکتا نہیں ہے ——
لیکن اس سب کے باوجود ان چاروں لوگوں
کے متعلق میں وہی کرتا ہوں جو پیغمبروں کا حکم ہے

اس جواب سے سلطان کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اس نے بہت سی باتوں کی وضاحت اس میں کر دی ہے۔

(۱) سلطان نے یہ خیال کر کر کہ کہیں قاضی کو اس کے مذہبی اعتقادات یا شریعت کے احترام کے متعلق شبہ نہ ہو جائے صاف صاف کہہ دیا کہ گو میں پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن میں مسلمان ہوں۔ میرے اجداد مسلمان تھے اور میں مسلمان پیدا ہوا ہوں۔

(۲) سلطان نے بتایا کہ جہاں تک احکاماتِ شرعی کا تعلق ہے وہ اپنی بے علمی کے باعث اُن سے واقف نہیں۔ لیکن سیاسی مقتضیات جو ہوتے ہیں اُن کے پیش نظر وہ "صلاحِ ملک" اور "صلاحِ خلق" کے لئے احکامات نافذ کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ کہاں تک یہ احکامات شرع کے مطابق ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کو شرع کا علم نہیں ہے لیکن جہاں تک نیت کا تعلق ہے وہ سب کچھ ملک کی بہبودی کی خاطر کرتا ہے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۶ - ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) آخر میں سلطان بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ کیا کیا دعائیں کرتا ہے اور کس طرح عرض کرتا ہے کہ وہ عوام کے اخلاق و اطوار کی درستی میں کوشاں ہے۔

اس تمام گفتگو کو اگر صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو سلطان کے مذہبی رجحانات کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ تاریخ نویسوں نے اس گفتگو کو اس طرح سے نقل کیا ہے کہ سلطان کا سارا مافی الضمیر مسخ ہو گیا ہے اور اس کے متعلق طرح طرح کے غلط خیالات پیدا ہو گئے ہیں۔ میرے خیال میں جو جملے اس کی مذہب سے بے تعلقی کے ثبوت میں نقل کئے جاتے ہیں وہ اس کے احترام مذہب کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہیں۔

مولانا شمس الدین ترک کی آمد سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں ایک مشہور محدث اور عالم مولانا شمس الدین ترک مصر سے ملتان تشریف لائے تھے۔ اُن کے ہمراہ حدیث کی ۴۰۰ کتابیں تھیں وہ ملتان ہی میں تھے کہ اُن کو معلوم ہوا کہ سلطان نماز ادا نہیں کرتا اور جمعہ میں بھی حاضر نہیں ہوتا۔ یہ سنتے ہی انھوں نے دہلی آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور سلطان کو علم حدیث کی تشریح میں ایک رسالہ لکھ کر بھیجا جس میں بقول برنی "در مدح سلطان مبالغت نمود"[1] ساتھ ہی انھوں نے فارسی میں ایک رسالہ لکھ کر سلطان کے پاس بھیجا۔ اُس میں لکھا تھا۔

میں مصر سے بادشاہ اور شہر دہلی کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ اور مقصد یہ تھا کہ میں خدا اور رسول کے لئے دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کروں اور مسلمانوں کو بے دیانت فقیہوں کی روایت پر عمل کرنے سے نجات دلاؤں۔ لیکن جب میں نے سنا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھتا اور جمعہ میں نہیں آتا تو اب میں ملتان سے ہی واپس جاتا ہوں[2]

اس رسالہ میں مولانا ترک نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے بادشاہ کی دو تین ایسی صفات

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنی ہیں جو "بادشاہان دین دار" کی خصوصیات ہیں اور دو تین باتیں ایسی سنی ہیں جن کی شاہان دیندار سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ خوبیوں کو مولانا ترک اس طرح گناتے ہیں

(۱) "خواری وزاری ولا اعتباری وبے مقداری ہندوان"

سلطان کے اس "کارنامہ" کا ذکر کرنے کے بعد بے اختیار لکھتے ہیں۔

"آفریں اے بادشاہ اسلام برایں دین پناہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

(۲) "شنیدہ ام کہ غلہ واقمشہ واسباب چناں ارزاں کردہ کہ سر سوزنے براں زیادت تصور ندارد"[2] — میں نے سنا ہے کہ اناج اور کپڑے اور دوسری چیزیں آپ نے اتنی ارزاں کردی ہیں کہ سوئی کے ناکہ کی برابر بھی اس پر زیادتی کا تصور نہیں ہو سکتا۔

پھر کہتے ہیں کہ یہ کام اتنا سخت تھا کہ بہت سے بادشاہوں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تعجب ہے کہ آپ کے لئے ایسا کرنا کیونکر ممکن ہوگیا۔

(۳) "شنیدہ ام کہ جملہ مسکرات را بادشاہ برانداختہ است وفسق وفجور در کام فاسقان وفاجراں از زہر تلخ تر شدہ است"[3] — سنا ہے کہ تمام نشہ آور چیزوں کو بادشاہ نے باہر نکال پھینکا ہے اور فسق وفجور فاسق لوگوں کے کام و دہن میں زہر سے بھی زیادہ کڑوا ہوگیا ہے۔

اس پر بادشاہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

(۴) "شنیدہ ام کہ بازاریاں اہل السوق راکہ اہل اللعنت اند در سوراخ موش در آوردہ" — سنا ہے کہ بازاری لوگوں کو آپ نے چوہے کے بل میں گھسا دیا ہے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷ [2] ایضاً ص ۲۹۸ [3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر بھی بادشاہ کو مبارک باد دیتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ یہ کام بھی ایسا ہے کہ آدم کے وقت سے اب تک کسی بادشاہ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکا -

ان چاروں خوبیوں پر سلطان کو مبارک باد دینے کے بعد شیخ ترک بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں -

"اے بادشاہ مبارکت باد کہ بدیں چہار عمل درمیان انبیاء جائے تست[1] اے بادشاہ! تجھکو مبارک کہ ان چار کاموں کی وجہ سے تیرا مقام پیغمبروں کے درمیان ہے -

اس کے بعد جن باتوں کی شکایت کرتے ہیں اُن پر بھی غور کرنا چاہئے

(۱) تم نے قضا کا کام حمید ملتانی جیسے شخص کے سپرد کر رکھا ہے - وہ دنیا دار آدمی ہے اور قضا کا کام "نازک ترین اشغال دین" میں سے ہے - اس میں احتیاط لازم ہے -

(۲) میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفٰے کو ترک کیا جاتا ہے اور دانشمندوں کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے - تعجب ہے کہ "جس شہر میں حدیث کے باوجود فقہ کی روایت پر عمل کریں وہ شہر اینٹ کیوں نہیں بجاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں برسنے لگتے -

(۳) آخر میں شکایت کی تھی کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں" دانشمند بدبخت سیاہ رو" مسجدوں میں بیٹھتے ہیں - اور رشوت لے کر فتوے دیتے ہیں - اور اُن کی بد دیانتی کی خبریں قاضی کی وجہ سے تم تک نہیں پہونچتیں[2]

ان سب کمزوریوں میں سب سے زیادہ وزنی اعتراض جو سلطان کے ذاتی کردار سے متعلق ہے وہ نماز سے غفلت ہے - بلاشبہ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں یہ کوتاہی انتہائی قابل اعتراض ہے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی - ص ۲۹۸ [2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس کو سلطان کی مذہب سے بے تعلقی، نفرت یا دشمنی پر محمول کرنا (جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے) غلط اور گمراہ کن ہے اس سلسلہ میں بے اختیار خواجہ میر حسن علاء سنجری کی یہ رباعی زبان پر آجاتی ہے [1]

دل را غم یار خار خارے دگر است | تقوی و صلاحیت شعارے دگرست
مشغول بدو شمارے دگرست | بیرون زنماز و روزہ کارے دگرست

جہاں مولانا شمس الدین ترک کا یہ اعتراض نقل کیا جاتا ہے وہاں اُن کا یہ جملہ بھی یاد رکھنا چاہیئے جو انھوں نے سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"درمیاں انبیاء جائے نست"[2]

برنی نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ اور کتاب مولانا نے بھیجی تو بہاء الدین دبیر نے کتاب تو سلطان علاء الدین کی خدمت میں پیش کردی لیکن رسالہ اپنے پاس رکھ لیا۔ اس لیے کہ اس میں قاضی حمید کے متعلق شکایات تھیں۔ برنی کو ملک قرابیگ نے بتایا تھا کہ اس رسالہ کی اطلاع سعد منطقی نے علاء الدین کو کردی تھی۔ اور بہاء الدین کی اس حرکت پر سلطان بے حد برہم ہوا تھا علاء الدین کو مولانا شمس الدین کے واپس چلے جانے کا افسوس ہوا[3]۔

ملکی نظام اور مذہب | برنی نے متعدد جگہ شکایت کی ہے کہ سلطان نے سیاسی معاملات میں مذہب کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔ علاء الدین کے سیاسی و مذہبی عقیدے کے متعلق وہ لکھتا ہے۔

"چوں در بادشاہی رسید در دل او ہم | بادشاہ ہونے پر اس کے دل میں یہ خیال
چنیں نقش بستہ کہ ملک داری و جہانبانی | جم گیا کہ ملک داری اور جہانبانی ایک علیحدہ
علیحدہ کار یست و روایت و احکام شریعت | کام ہے اور احکام شریعت و روایت ایک

---

[1] دیوان حسن سنجری دہلوی۔ (حیدر آباد) ص۔ ۲۰ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۹ [3] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیحدہ امریست واحکام بادشاہی بہ بادشاہ متعلق است واحکام شریعت بروایت قاضیان ومفتیان مفوض است دربر حکم اعتقاد مذکور ہرچہ درکار ملک داری اور افراہم آمدی وصلاح ملک وساں دیدی آں کار خواہ مشروع وخواہ نا مشروع بکردے"[۱]

الگ کام ہے۔ احکام بادشاہی کا تعلق بادشاہ سے ہے اور احکام شریعت کا تعلق قاضیوں اور مفتیوں سے ہے۔ بادشاہ اپنے اسی اعتقاد کے مطابق ملک داری کے کاموں میں جو مناسب سمجھتا اور جس میں وہ اپنے ملک کی بھلائی دیکھتا تھا وہ کرتا تھا خواہ وہ جائز ہوتا یا ناجائز۔

لیکن برنی کے اس بیان سے اتفاق کرنا بہت مشکل ہے۔ اس نے اپنے اس دعوی کی تائید میں واقعات سے بحث نہیں کی۔ تاکہ ہم اعمال کا جائزہ لے سکتے جن کی بنا پر برنی اس قسم کا خیال ظاہر کرنے پر مجبور ہوا۔ برخلاف اس کے برنی کے صفحات میں خود اس بیان کی تردید موجود ہے سلطان کے کسی عمل سے جان بوجھ کر شریعت کی مخالفت ظاہر نہیں ہوتی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے کہ یہ خیال کہ سلطان علاء الدین خلجی نے شرع کو نظر انداز کر دیا تھا صحیح نہیں۔ اس نے نہایت سخت ضرورت اور مشکل کے وقت بھی خراج کی مقدار مقرر کرنے میں شرع کے عائد کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ اس نے ملک کے سماجی نظام کے سلسلہ میں احکامات احتساب پر بہترین طریقہ سے عمل کیا تھا۔[۲]

درستی اخلاق کی کوششیں سلطان علاء الدین خلجی نے عوام کے اخلاق درست کرنے کے لئے بے پناہ کوششیں کیں۔ امیر خسرو نے خزائن الفتوح میں سلطان کی بعض اہم مساعی کا ذکر کیا ہے۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۸۹

[۲] The Administration of The Sultanate of Delhi p: 45.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن میں سے ایک یہ ہے کہ طوائفوں کے نکاح جبراً کرادیے۔[۱]

خون پینے والے جادوگروں (سحرۂ خون آشام) کو سلطان نے بالکل ختم کر دیا۔ اس گروہ کے سب لوگوں کو گردن تک زمین میں گاڑ کر سنگسار کر دیا گیا۔[۲]

سلطان نے شراب نوشی کے انسداد کے لئے بھی بے حد جد و جہد کی اس نے شراب کا بیچنا اور پینا ممنوع قرار دے دیا تھا۔ علاء الدین پہلا ہندوستانی فرمانروا تھا جس نے شراب بیچنے کے مکمل انسداد کی کوشش کی۔ اس نے بگنی، بھنگ اور جوے کو بھی ممنوع کر دیا تھا۔ شراب پینے والوں کی سزا کے لئے اس نے قید خانہ بنوائے اور خماران و قماران و بگنی گران[۳] کو شہر بدر کر دینے کا حکم دیا تھا۔ برنی نے لکھا ہے کہ اس حکم کی وجہ سے سلطان کو خراج کا بہت نقصان ہوا ــــ

"خراجہائے بے اندازہ ایشاں از دفاتر دور کردند"۔[۴]

لیکن سلطان نے اس حکم کو درستی اخلاق اور حکومت کے استحکام کے لئے ضروری سمجھا اور اس کے نفاذ میں سختی سے کام لیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے سب جام و سبو توڑ ڈالے۔ وربداؤں دروازہ کے پاس ان کے ڈھیر لگ گئے محل شاہی میں جتنی شراب تھی وہ سب پھینکدی گئی۔ برنی کا بیان ہے کہ بداؤں دروازے میں اس قدر شراب پھینکی گئی تھی کہ کیچڑ پیدا ہو گئی تھی۔[۵]

---

۱ خزائن الفتوح مطبوعہ علی گڈھ ص ۱۹-۱۸ ۲ خزائن الفتوح ص ۲۰

۳ "بگنی بفتح با و سکون کاف فارسی۔ نوعے از شراب باشد کہ آں را بہ عربی نبیذ خوانند ......

... و با یائے فارسی یعنی بگنی نیز بہ نظر آمدہ"

صائب لکھتا ہے ؎ مست گشتم زجرعۂ بگنی + شد مزاجم ز بھنگ مستغنی

۴ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴ ۵ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴

۶ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امرار کو حکم دیا گیا کہ وہ ہاتھیوں پر بیٹھ کر شہر کے بازاروں، سڑکوں اور محلوں میں شراب نوشی کے انسداد کی منادی کریں۔ برنی نے لکھا ہے کہ اس حکم کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ "حیادار" تھے انھوں نے اس کے بعد شراب پینا بند کر دیا۔ جو لوگ "بدنفس" اور "بے شرم" تھے انھوں نے اپنے گھروں میں بھٹیاں کھول لیں اور پوشیدہ طور پر تجارت کرنے لگے۔ سلطان نے ایسے لوگوں کو عبرتناک سزائیں دیں[۱]۔

زانی لوگوں کے بعض گروہوں کو جو "اصحاب اباحت" کے نام سے مشہور تھے سلطان نے قطعاً نیست و نابود کر دیا[۲]۔ اصحاب اباحت کے متعلق پروفیسر محمد حبیب صاحب کا خیال ہے کہ ان لوگوں سے مراد قرامطہ، اسمٰعیلی اور دیگر مرتد شیعہ طبقہ مقصود ہیں[۳]۔

امیر خسرو سلطان علاء الدین کی دینداری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ——

"باز از آنجا کہ کمال دین داری این معین	پھر جب کہ اس مددگار شریعت کے کمال
شریعت جملگی اصحاب اباحت را احضار	دینداری نے تمام اصحاب اباحت کو
فرمود، و متفحصان صادق را بر ایشاں	بلوایا اور سچے جاسوس اپنے متعین کردہ
گماشت تا ہر یک را پیش جستند، وازدے	تو ان میں سے ہر ایک کو دربار میں بلایا اور
تفتیش کردند"[۴]	ان کی تفتیش کی۔

سلطان نے درستی اخلاق کے لئے یہ قدم کن جذبات و مقاصد کے ماتحت اُٹھایا تھا؟ اس سلسلہ میں اس کے ذہنی محرکات کا تجزیہ کرنا مشکل ہے لیکن اگر برنی کے ایک بیان پر یقین کیا جا سکتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مذہبی جذبات بھی شامل تھے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

۱؎ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۸۴ - ۲۸۵ ۲؎ خزائن الفتوح۔ ص ۲۱ ۳؎ The Campaig-ns of Alauddin by Prof: Habib p 12. J. N. 3 ۴؎ خزائن الفتوح ص ۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے قاضی مغیث سے اپنی گفتگو میں کہا تھا کہ "میں خدا تعالیٰ سے اپنی مناجات میں کہتا ہوں کہ کسی چور یا زانی یا شراب خوار نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اس کو سزا دوں۔ اس کے باوجود میں جو اس کو سزا دیتا ہوں تو صرف پیغمبروں کے نقش قدم پر چلنے کی غرض سے دیتا ہوں!

سلطان علاء الدین خلجی، امیر خسروؒ کی نظر میں | حضرت امیر خسروؒ کا، سلطان بلبن کے زمانہ سے لے کر سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد تک ہمیشہ کسی نہ کسی دربار سے تعلق رہا ہے اگر ایک طرف ملک چھجو، شہزادہ محمد، حاتم خاں کی تعریف میں انھوں نے قصیدے کہے ہیں تو دوسری طرف سلطان جلال الدین، علاء الدین خلجی، مبارک خلجی اور غیاث الدین تغلق کے دربار بھی اُن کے قصیدوں سے گونج اُٹھے تھے۔ ان سب قصیدوں کا اگر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین کی شان میں جو قصائد انھوں نے لکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ جوش، جذبہ اور جان ہے اور اس کی ایک وجہ ہے۔ اب تک ان کے ممدوح کسی غیر معمولی قابلیت کے مالک نہ تھے۔ علاء الدین جب تخت پر آیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ حقیقت میں تعریف کا مستحق بادشاہ تخت پر آگیا ہے۔ پروفیسر محمد حبیب صاحب نے لکھا ہے ــــ

"علاء الدین خلجی کے آتے ہی ایک حقیقی ہیرو اسٹیج پر آگیا۔ اور امیر خسرو نے ایک شاعر کی سچی تیز نگاہی کے ساتھ منافقت کو دور کر کے حقیقت کو اختیار کر لیا اور پھر ایسے قصائد لکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں لکھے تھے"[1]

امیر خسروؒ نے اپنی مثنویوں میں سلطان علاء الدین خلجی کی مذہبی دلچسپیوں کا نہایت بلند آہنگی سے ذکر کیا ہے۔ "مجنوں لیلیٰ" میں سلطان کے متعلق لکھتے ہیں[2]

---

[1] "امیر خسرو" - از پروفیسر محمد حبیب (علی گڈھ) [2] "مجنوں لیلیٰ" بہ تصحیح نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی - (علی گڈھ) ص - ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سینۂ اش صدفِ دُرِ الٰہی ۔۔۔ سنگش محکِ عیارِ شاہی[1]

ایک اور شعر ہے ؎

دیں را علمش عماری خواب ۔۔۔ محرابی او پناہ محراب[1]

"آئینہ سکندری" کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

محمدؐ جہانگیر حیدر مصاف ۔۔۔ کہ از بیش او پس خزد کوہ قاف

چراغ بنور حق افروختہ ۔۔۔ عدو را بہ پروانگی سوختہ[2]

"مطلع الانوار" میں لکھتے ہیں ؎

شاہِ محمدؐ کہ بتائیدِ رائے ۔۔۔ کرد قوی شرعِ رسولِ خدائے[3]

پھر ایک جگہ کہتے ہیں ؎ قاعدۂ ملک تو بنیاد دیں ہے

اسی مثنوی میں ایک جگہ سلطان کو ایماں پناہ کہتے ہیں۔[4]

"شیریں و خسرو" میں سلطان علاء الدین کے متعلق لکھتے ہیں ؎

رضائے حق بہ تسلیمے خریدہ ۔۔۔ دعائے را با قلیمے خریدہ

رہِ دیں بس کز و بیچارہ ماندہ ۔۔۔ سلاحِ غازیاں بیکار ماندہ[5]

"دولرانی" میں کہتے ہیں ؎

علائے دین و دنیا شاہ والا ۔۔۔ بقدرت نائب ایزد تعالیٰ

چو انصاف عمرؓ صیتش شنیدہ ۔۔۔ زایام عمر سو لیش دو یدہ[6]

---

[1] "مجنوں لیلیٰ" ص ۱۷۔ محرابی نوعے است از شمشیر [2] "آئینۂ سکندری" بہ تصحیح مولانا سعید احمد فاروقی (علیگڈھ) ص ۱۴ [3] "مطلع الانوار" بہ تصحیح مقتدی خاں شیروانی (علی گڈھ) ص ۲۴ [4] "مطلع الانوار" ص ۲۶۔۲۷ [5] "شیریں و خسرو" بہ تصحیح حاجی احمد علیخاں اسیر (علیگڈھ) ص ۱۲ [6] "دولرانی" بہ تصحیح رشید احمد انصاری (علیگڈھ) ص ۱۹۔۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"خزائن الفتوح" میں لکھتے ہیں۔

"اثرے از مآثر جہانداری این خلیفہ، محمدؐ نام، ابوبکر صدق، عمر عدل، نیز باز گویم کہ عثمان وار آیات رحمت رحمانی را در جلد مصحف وجود چگونہ جمع آوردہ است و علی کردار ابواب علم را در مدینۃ الاسلام دہلی بکلید احسان بر چہ نمط باز کشادہ و این مصر جامع را از کف دجلہ فیض بچہ آب روشنی بغداد دادہ، و رایات عباسی کہ از افتادن واقعات گران خورد شکستہ بود بعلامات خلافت خویش برقاعدۂ عدل از سر برپائے کردہ، و عرصہ ممالک آفاق را از ارشاد رائے رشید بر چہ طریق مامون گردانیدہ. و در جمیع امور چہ نوع المستنصر باللہ و المستعصم بودہ بودہ"[1]

یہ خلیفہ جو کہ محمد نام رکھتا تھا اور جو حضرت ابوبکر کا سا صدق اور حضرت عمر کا عدل رکھتا تھا اُس کے کارنامہائے جہانداری میں سے ایک کارنامہ بیان کرتا ہوں کہ حضرت عثمان کی طرح اُس نے ۔ ۔ ۔ ۔ خداوندی رحمت کی نشانیوں کو مصحف وجود کی جلد میں کس طرح جمع کر دیا ہے اور حضرت علی کی مانند علم کے دروازوں کو مدینۃ الاسلام دہلی میں کس طرح احسان کی کنجی سے کھول دیا ہے اور اس بڑے شہر کو فیض کے دجلہ کے پانی سے کس طرح بغداد کی سی روشنی بخش دی۔ اور عباسی جھنڈے جو کہ سخت قسم کے واقعات کے پیش آنے کی وجہ سے سرنگوں ہو گئے تھے ان کو کس طرح پھر اپنی خلافت کی نشانیوں سے عدل کے ستون پر قایم کر دیا ہے اور تمام دنیا کے ممالک کو اپنی نجیۃ اور صحیح رائے سے مامون رشید کے طریق پر ڈالا ہے۔ عوام کے معاملات میں وہ کس طرح المستنصر باللہ اور المستعصم بنا ہوا ہے۔

[1] "خزائن الفتوح" ۔ (علی گڑھ) ۔ ص ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان علاء الدین خلجی، امیر حسن علاء سنجری کی نظر میں

"دستور صادقاں ارادت"[1] یعنی "فوائد الفوائد" کے مرتب خواجہ امیر حسن علاء سنجری، علاء الدین خلجی کے عہد کے مشہور شاعر اور بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ میں "سعدی ہند" کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے۔[2] قناعت اور علائق دنیا سے تجرد و تفرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ برنی کا بیان ہے کہ میں نے ان اوصاف میں اُن جیسے کم لوگ دیکھے ہیں"

اُن کی زندگی میں کئی خاندان حکمراں ہوئے۔ اور بعض بادشاہ ان میں شعر و سخن کے دلدادہ اور فدائی تھے۔ مگر وہ ان سب درباروں سے علیحدہ رہے[3] لیکن سلطان علاء الدین کے عہد میں انھوں نے خوب قصیدے کہے اور سلطان کی نہایت بلند آہنگی سے مدح و ثنا کی۔ گو مبالغہ آرائی قصیدے کی جان ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقت نگاری اور قصیدہ نگاری میں تضاد ہے۔ امیر حسنؒ کے قصائد اگر ذرا گہری نظر سے مطالعہ کئے جائیں تو مبالغہ کے پردے اُٹھتے ہوئے معلوم ہونے لگتے ہیں اور سلطان کے اصلی خط و خال نمایاں ہو جاتے ہیں۔ خود امیر حسن کا فرمانا ہے ؎

تو سخن سنجیدہ می گوئی دلعل مدح تو — ہرگز اندر پئے اندیشہ عنوان برکشید[4]

قصیدہ گو کی ہمیشہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے ممدوح کے اُن اوصاف کو بیان کرے جن سے وہ زیادہ سے زیادہ خوش ہو سکے اور جو اس کے رجحانات کی صحیح ترجمانی کرتے ہوں۔ امیر حسنؒ کے قصائد اُٹھائیے۔ جگہ جگہ بادشاہ کی "دین داری" اور "دین پروری" کی تعریف ہے۔ "دین پناہ" اور "دین پرور" کے لقب سے ایک جگہ نہیں متعدد جگہ بادشاہ کو خطاب کیا ہے۔ اس سلسلہ کے

---

۱ "وایں فوائد الفواد، دستور صادقاں ارادت شدہ است" برنی ۲ تاریخ فیروز شاہی ۳ "دیوان حسن سنجری" (مطبوعہ حیدرآباد) مقدمہ ص ۶۳ ۴ دیوان حسن سنجری ص ۴۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ــــــــــ

ہ علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
کہ از الطاف غیبی انچہ او خواہد ہماں بادا (ص ۴۵۳)

ہ دست فلک چو برکشد بیدق صبحگاہ را
روح امیں دعا کند دولت پادشاہ را
شاہ جہاں علاء الدین کوست پناہ دیں حق
عصمتِ حق پناہ باد ایں شہ دیں پناہ را (ص ۴۵۵)

ہ تو دیں خدائے را نگہباں تائید خدا نگاھبانت (ص ۴۶۷)

ہ خدایگاں زمین در زماں محمدؐ شاہ
کہ کار دیں محمدؐ با عتقاد کند (ص ۴۷۲)

ہ یارب ہمہ جہاں مدد عمر شاہ باد
اسلام در پناہ شہ دیں پناہ باد (ص ۴۷۵)

ہ اے تو شہ دیں پناہ و دیں بتو آورد پشت
عصمت پروردگاہ پشتِ پناہ تو باد (ص ۴۷۸)

ہ شاہ ما چوں ملت حق را کند پشتی بعدل
می سزد گر نصرت غیبش بہ پشتیباں شود (ص ۴۸۲)

ہ دیں حق را چو نگہباں و نگہ داری تو
حق ہمہ جائے نگہدار و نگہباں تو (ص ۴۷۱)

ہ ثبات ملت و ملک انبقائی او بادا بقائی او دست کہ اسلام را مدار آمد (ص ۴۸۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ زربخش علاؤالدین بردنیا و دیں حافظ
دیں را بکنف دارد دنیا بعطا بخشد (ص ۴۸۵)

؎ کرمہا کرد حق در حق سلطان مسلماناں
حقیقت شد کہ او را در مسلمانی ہمی باید
فراہم می کند از فضل یزداں کار ملک و دیں
بلے ایں کارہا از فضل یزدانی ہمی باید (ص ۴۸۵)

؎ دل پاک کہ اماں بخش مسلمانانست
چوں دل شہ بنہ دیں مسلمانی باد (ص ۴۸۵)

؎ اکنونکہ دین حق ز در تو مدد گرفت
چوں دور چرخ مدت ملکت مدید باد (ص ۴۸۸)

؎ اے تو شہ دیں پناہ دیں بتو افزودہ است
عصمت پروردگار پشت و پناہ تو باد (ص ۴۹۰)

؎ سر شاہاں مدار دہر در وے ملک و پشت دیں
علاء الدین والدنیا محمد شاہ دیں پرور
مبارک روئے و فرخ رائے و گردوں بخت و دریا کف
مخالف سوز شرع اندوز و دیں افروز و دیں گستر (ص ۴۹۸)

؎ سلطان علاء دولت و دیں کز علو او
اسلام و شرع آمدہ ہر روز بیش بیش (ص ۵۰۱)

سلطان علاء دنیا و دیں آنکہ دین حق + درسایۂ سرادق او کرد جائے خویش (ص ۵۰۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ علاء الدین والدنیا محمد شاہ دین پرور
کہ سلطان سلاطین است و برہان بنی آدم (ص ۵۰۸)

؎ پناہ جملہ اسلام و پشت زمرۂ ایماں
مدار ملت احمد مراد خلقت آدم
خدایگان سلاطین علائے دین محمدؐ
کشیدہ دائرہ عدل گرد مرکز عالم (ص ۵۱۷)

؎ سلطان علائے دولت و دیں خاصۂ خدا
ہرچہ از خدائے خواستہ دادہ خدا تمام (ص ۵۲۱)

؎ اکنونکہ دین حق ز در تو مدد گرفت
چوں دور چرخ مدت ملکت مدید باد (ص ۴۸۸)

؎ ہزار شکر کہ می پروریم جاں در ناز
بزیر رایت اسلام پرور سلطان (ص ۵۲۵)

؎ آنچہ کہ کردی کند بہر بقائے دین حق
ہم بجزا اگر کند جز کرم خدایگاں (ص ۵۲۱)

؎ بنام ایزد زہے چتر شہ دین دار کز عظمت
پر جبریل را ماند سوادش چوں خط فرماں (ص ۲۹۲)

؎ اے پشت و پناہ امم و بازوئے خلقت
اے دیدۂ اسلام و پسندیدۂ سبحان (ص ۵۳۴)

؎ شاہا تو نگہ داشتہ قاعدۂ دیں — دیں را تو نگہباں تو نگہباں تو یزداں (ص ۵۳۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے ہیچ شبہ شہ بود اندر پناہ حق
زیرا کہ ہست دیں حق اندر اماں شاہ (ص ۵۳۹)

علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
کہ ہست از وے ور انش عالمے را کار بکشادہ (ص ۵۴۷)

جہاں بخش علاء الدین سلطان جہانگیر
الحق شہ دیں پرور و اسلام پناہی (ص ۵۵۰)

علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
کہ از عدلش اساس شرع دار د سخت بنیادی (ص ۵۵۲)

خدایگاں سلاطین علائے دنیا و دیں
مدار مملکت و بازوئے مسلمانی (ص ۵۵۶)

سلطان کا نام علاء الدین محمدؐ شاہ تھا۔ امیر حسن علاء سنجری نے اکثر قصائد میں رعایت لفظی سے کام لے کر لکھا ہے کہ سلطان نے دین محمدؐ کی بنیادیں رسول مقبولؐ کی طرح استوار کی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ــــــــــ

نامش محمدؐ است محمدؐ صفت بہ بیں
دیں را زوال دولت او شد مدارہا (ص ۲)

محمدؐ ے کہ ہم از بہر دیں و ہم نامش
چو لشکرے ز عرب تا عجم بروں آمد (ص ۴۸۱)

ابو المظفر شاہ جہاں محمدؐ شاہ
کہ چوں محمدؐ مقصود ہشت و چار آمد (ص ۴۸۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ محمدؐ آشکارا کرد دین حق بنام ایزد
کنوں در عہد ہم نامش شد ایں دیں آشکاراتر (ص ۴۹۶)

؎ ابوالمظفر خاص خدا محمدؐ شاہ
پناہ ملت و پشت ہدیٰ محمدؐ وار۔ (ص ۵۰۰)

؎ محمدؐ ست محمدؐ صفت بنام ایزد
چو خضر از رخ شادی درا مبارک فال (ص ۵۰۶)

؎ مدار ملت و پشت ہدیٰ محمدؐ شاہ
کہ ہست ہم چو محمدؐ پناہ اہل امم (ص ۵۱۷)

جگہ جگہ سلطان کی "اسلام پروری" اور "قاعدہ دین" کی پابندی کی تعریف کرتے ہیں ؎

؎ ہزار شکر کہ می پروریم جاں در ناز — بزیر رایت اسلام پرور سلطاں (ص ۵۲۵)

؎ ہمیشہ قاعدۂ دیں برو قوی باد — بنور روح محمدؐ بحق روح امیں (ص ۵۳۱)

؎ روئے عروس دین محمدؐ یافت جمال — از جبر شہ خداش برافزود حال نو (ص ۵۳۵)

؎ شرع نبی و دین حق نشو و نما کرد و فر — یافت بعہد مصطفیٰ باز بروزگار او (ص ۵۳۷)

؎ شاہ جہاں محمدؐ شرع محمدیست — اندر پناہ مملکت جاوداں شاہ (ص ۵۳۸)

؎ سر ہمہ خلفائے امم محمدؐ آنک — کہ دین پاک محمدؐ بدو گرفت پناہ (ص ۵۴۶)

ایک جگہ قسم کھا کر یقین دلاتے ہیں ؎

؎ بجان جملہ اسلامیاں خورم سوگند — کز دست بر ہمہ اسلام منت جانی (ص ۵۵۵)

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com